ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی *

:

اسلام میں تصور جہاد اور امن

اسلام نوعِ انسانی کی خیر وفلاح، امن وعدل اور صلح وآشتی کو بڑی تاکید کے ساتھ اقوام وملل اور ملک ومعاشرہ میں قائم ودائم رکھنے کا حکم دیتا ہے، نیز فتنہ وفساد اور ظلم وجور کے سد باب کی تلقین کرتا ہے۔ دیگر مذاہب عالم میں اس قدر واضح، درخشاں اور تاکیدی تعلیمات اگر معدوم نہیں تو تشنہ اور مفقود ضرور ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے وہ معاشرہ انسانی میں امن وامان، صلح وآشتی اور فطری حقوق کے حصول کی جدوجہد کو کامیابی کا ضامن قرار دیتا ہے اور فساد فی الارض اور قتل وغارتگری کو دنیا وآخرت میں ناکامی ونامرادی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اسلام کا نظام 'جنگ وجہاد' بھی بنی نوع انسان کے لئے فلاح وبہبود کا ضامن قرار پاتا ہے۔ یہ نظام ظلم وعدوان کی ساری پگڈنڈیوں کو بنظر استحقار دیکھتے ہوئے ملک ومعاشرہ میں امن وعدل کی بحالی کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ معاندین اسلام نے صدیوں سے آج تک انسانیت کی فلاح پر مبنی اس نظام کو اپنے طعن وتشنیع کا موضوع بنایا ہے اور بابانگ دہل تمام آلات ترسیل کے ذریعہ یہ عام کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کی تعلیمات خوں ریزی کی تعلیم دیتی ہیں اور دنیا میں اسلام کی اشاعت انہی انسانیت کش تعلیمات کا نتیجہ ہے، حالانکہ حقائق وشواہد اس کے برعکس ہیں۔ یہ مضمون سلسلہ وار چار قسطوں پر مشتمل ہوگا جس میں تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا کہ کیا حقیقت میں اسلام تیر وتفنگ اور طاقت وتلوار کی بدولت پھیلا ہے۔ کیا اہل ایمان کا نعرہ، نعرۂ توحید تھا یا نعرۂ تلوار۔ کیا مسلمان شہنشاہیت اور دنیاوی اقتدار کے بھوکے اور قتل وغارتگری کے رسیا تھے یا بوریہ نشینی ان کا شعار تھا اور خدا کی زمین پر حق وصداقت اور امن وآشتی کے متوالے تھے۔

عام معنی ومفہوم کے لحاظ سے قتال یا جنگ کو اسلام میں مسعود ومبارک عمل قرار نہیں دیا جاتا۔

---

* شعبہ دینیات (سنی)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

دوسرے الفاظ میں اس کی تعبیر یوں کی جاسکتی ہے کہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے، ذاتی، گروہی اور قومی مفادات کے حصول کی خاطر یا منصب واقتدار کی چاہت میں اگر جنگ کی جائے تو یہ جنگ انتہائی مذموم ہے۔ اس جنگ یا قتال کو اسلام طاغوت کی راہ میں جنگ قرار دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس نہج سے کی جانے والی جنگ میں جائز وناجائز، حلال وحرام اور مستحسن وقبیح، یہ سب بے معنی ہو جاتے ہیں۔ جنگ کرنے والا حدود کو پھلانگ جاتا ہے، انسان کی عزت وآبرو کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے اور لوٹ کھسوٹ مرکز توجہ بن جاتی ہے۔ اَنا اور ہٹ دھرمی کے محور پر گردش کرتے ہوئے اور ذاتی مفادات کو مطمح نظر بناتے ہوئے جنگ کی آگ بھڑکانے والا شخص یا گروہ، انسانیت کے حدود وقیود کی پرواہ نہیں کرتا، یہاں تک کہ انسانی خون کی ندیاں بہہ جائیں، تو ایسے شخص یا گروہ کے لیے یہ دلدوز واقعہ بھی باعث قلق واضطراب نہیں ہوتا۔

کفروشرک کا علمبردار طاغوت کی راہ میں لڑتا ہے اس لیے کہ ان کے احباب واصدقاء شیاطین ہوتے ہیں، اور قرآن مجید کے اعلان کے مطابق یہ شیاطین انسان کے کھلے دشمن ہوتے ہیں۔ معبودان باطل کے علمبردار یا طاغوت کے پرستار حزب الشیطان سے موسوم ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں کتاب اللہ واضح انداز میں ناطق ہے کہ ناکامی ونامرادی ان کا مقدر ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے علمبردار صرف اور صرف اللہ کی راہ میں برسر جنگ ہوتے ہیں۔ یہ حزب اللہ موسوم ہوتے ہیں اور ان کی کامیابی وکامرانی کا اللہ رب العزت کی طرف سے اعلامیہ جاری ہوتا ہے۔ ایک ایسا شخص مخلص اور اسلام کا سچا پیامی ہو ہی نہیں سکتا جو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے نہ کردے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معبودان باطل کا قلادہ اتار پھینک کر ببانگ دہل اعلان کرتا ہے:

إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَّمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

”بلاشبہ ہم نے اپنا رخ یکسو ہو کر اس ہستی کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

بندۂ مومن سے تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اخلاص وللہیت کو شیوۂ حیات بنالے اور اطاعت وبندگی کو اسی کے لیے خالص کرلے۔ اور عملی طور پر بھی تمام معاملات زندگی میں اللہ واحد کے دین کو ہی اپنا ہادی وپیشوا قرار دے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ برملا اس حقیقت کا اعلان بھی کرتا ہے کہ اس کی تمام تر مصروفیات ومشغولیات اللہ واحد کے لیے ہوں گی۔ بندۂ مومن کا یہ مبارک اعلان اللہ کی کتاب یوں محفوظ کرتی ہے:

إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

''بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔''

رسالتمآب ﷺ کی یہ حدیث بھی بندہ مومن کی صحیح تصویر کشی کرتی ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

لایؤمن اَحدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئتُ به۔

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی خواہشات اس (شریعت) کے تابع نہ ہوجائے جو میں لے کر آیا ہوں۔''

مندرجہ بالا تعلیمات قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ حقیقت تشت از بام ہوجاتی ہے کہ اسلام کا علمبردار اللہ کے دیئے گئے ضابطہ زندگی کا تابع ہوتا ہےاور ہمہ آن اور ہمہ وقت اللہ رب العزت کی مرضی ہی اس کے فکر وعمل اور سعی وجہد کا محور ومستقر بنتی ہے۔اس لیے اگر جنگ وقتال کا اقدام بھی اس کی طرف سے ہوتا ہے تو صرف اور صرف دین وشریعت کے حدود میں اور اللہ کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے۔

اللہ کی راہ میں جو جنگ ہوتی ہے وہ مقدس جنگ ہوتی ہے اور اسے عرف عام میں جہاد سے موسوم کیا جاتا ہے۔اگرچہ جہاد اپنے وسیع مفہوم میں ان تمام انتھک کوششوں سے عبارت ہے جو اللہ کی مرضی کا پابند ہوکر اللہ کے دین کی سرفرازی کے لیے کی جائیں۔اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ کلمہ طیبہ کا دل کی گہرائیوں سے اظہار واعلان فکری جہاد کا پہلا مرحلہ ہےاور نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج جیسی عظیم الشان عملی عبادتیں جنھیں ستون دین کا بھی درجہ حاصل ہے، اس عظیم ترین فکری جہاد کے تقاضے ہیں۔ان کے علاوہ ہر وہ محنت شاقہ جو وقت، مال اور جان کا سرمایہ لگا کر کی جائے، جہاد میں شامل ہے۔

بلاشبہ جان جیسی متاع عزیز کا سرمایہ اگر اللہ کے دین کی سربلندی میں لگایا جارہا ہو تو یہ جہاد بالسیف ہے جسے جہاد فی سبیل اللہ کی آخری منزل سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس باب میں اسلام کے تصور جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔جہاد کا لغوی مفہوم، جہاد کی شرعی تعریف، اہمیت، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی فرضیت اور آداب جہاد، جیسے ذیلی مباحث زیر بحث باب کے حصہ ثانی کے مشتملات ومباحث ہیں جن کی روشنی میں اسلام کا تصور جنگ منظر عام پر آجاتا ہے۔

جہاد لغوی اعتبار سے:

الجهاد، وهی مصدر، هوالمشتق من الجهد بالضم، بالفتح۔

''جہاد مصدر ہے، یہ مشتق ہے جہد سے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔''

مفردات القرآن کے مؤلف ان الفاظ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

استفراغ الوسع فی مدافعة العدو

''جہاد دشمن سے دفع میں بھرپور کوشش کرنے سے عبارت ہے''

تفسیر نیشاپوری میں مرقوم ہے:

والمجاهدة من الجهد بالفتح الذی هوالمشقة أومن الجهد بالضم الطاقة لأنه يبذل الجهد فی قتال العدو۔

''المجاہدہ جہد سے ہے فتح کے ساتھ اور یہ مشقت کے معنی میں ہے یا ضمہ کے ساتھ طاقت کے معنی میں، اس لیے کہ یہ دشمنوں سے قتال میں بھرپور کوشش اور طاقت صرف کرنے کا نام ہے۔''

امام کسائیؒ اپنی مشہور ومعروف کتاب بدائع الصنائع میں تحریر کرتے ہیں:

وأماالجهاد فی اللغة فعبارة عن بذل الجهد بالضم وهوالوسع والطاقة أوعن المبالغة فی العمل من الجهد۔

''بہر حال جہاں تک جہاد کی لغوی تعریف کا مسئلہ ہے۔تو وہ یہ ہے کہ لغت میں یا تو جہاد ''بذل الجھد'' (تمام وسعت وطاقت لگادینا) سے عبارت ہے۔ یاتو (المبالغه فی العمل) کسی کام کوانتہائی بلیغ انداز سے سرانجام دینے سے عبارت ہے۔''

جہاد کی شرعی تعریف:

علامہ بدرالدین عینیؒ جہاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجهاد فی الشرع بذل الجهد فی قتال الكفار لاعلاء كلمة الله۔

''عرف شرعی میں جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے کافرانہ طاقتوں کی پوری طاقت وقوت سے سرکوبی کرنے سے عبارت ہے۔''

صاحب فتح القدیرؒ رقمطراز ہیں:

قتل مسلم كافراًغيرذی عهدبعد دعوته للاسلام واباثه وعلاء كلمة الله۔

''مسلم کا کافر سے قتال کرنا ہے بغیر کسی عہد و پیمان کے اس کو اسلام کی دعوت دینے کے بعد، اور اس کے انکار کرنے کے بعد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے۔''

امام کاسانی حنفیؒ جہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

اما الجهاد فی عرف الشرع بذل الوسع والطاقة بالقتال فی سبیل الله عزوجل بالنفس والمال واللسان۔

''عرف شرعی میں جہاد اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کیلئے جانی و مالی اور لسانی قوتوں کو پوری طاقت سے صرف کرنے سے عبارت ہے۔''

فتح الباری میں ابن حجرؒ لکھتے ہیں: وشرعا بذل الجهد فی قتال الكفار

''شریعت کی اصطلاح میں کفار سے جنگ میں جہد و کاوش صرف کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے۔''

جہاد کی مذکورہ بالا تمام تعریفیں اگرچہ درست ہیں اور بڑی حد تک قرآن کے فلسفۂ جہاد کے قریب دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن جدید عصری تقاضوں کے پیش نظر جہاد کی مختلف جہات، اقسام اور عصر جدید میں اسلام کے سامنے پیش آنے والے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف کے مطابق دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ، ترویج و سربلندی، اعلاء کلمۃ اللہ اور حصول رضائے الٰہی کیلئے اپنی تمام تر جانی، مالی، جسمانی، لسانی، فکری اور ذہنی صلاحیتوں کو اسلام کیلئے وقف کر دینا جہاد کہلاتا ہے۔

اسلام فرد واحد کو تسلیم کرتے ہوئے اسکی ذاتی زندگی کی بقا و سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اور معاشرے میں ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اسکے حقوق و مراعات کو یقینی بناتا ہے۔ یہ خدائی ضابطۂ حیات کہیں بھی افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتا بلکہ توازن و اعتدال کے تقاضوں کو تمام تر شعبہ جات میں نافذ کرنے کا علمبردار ہے۔ اس نظام حیات کا تصور ریاست بھی مثالی و منفرد ہے۔ یہ اپنے پرستاروں کو قومیت کے حدود میں مقید نہیں کرتا ہے بلکہ پوری کائنات انسانی کیلئے امن و آشتی کا بڑا نقیب بن کر سامنے آتا ہے۔ یہ عدل و انصاف کا قیام چاہتا ہے تاکہ بلا فرق مذہب وملت تمام انسانوں کی جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔

گویا جہاد معاشرے سے ظلم و استحصال، جور و ستم اور ناانصافی و فتنہ و فساد کو ختم کر کے عدل و انصاف، اخوت و بھائی چارگی، مساوات و برابری، حریت و آزادی اور مظلوم و مجبور انسانیت کو مژدۂ امن سنانے والی جہد مسلسل کا نام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا۔

''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گیے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ کمزوروں، بے بسوں اور لاچاروں اور ملک و معاشرہ کے مجبور و مظلوم انسانوں کی حمایت و تائید میں ظالموں کے خلاف جہاد نہیں کرتے۔ تمہارے بھائی ظلم وستم کی چکی میں پس رہے ہیں، اس قریہ جبر وقہر سے نکلنے کے لئے مظلوموں کو ظالموں کے پنجہ استبداد سے خلاصی دلاؤ۔ مذکورہ بالا صورت میں اسلام کے پیروکار پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ایک مومن و مسلم اپنے اوپر آرام کو حرام کر لیتا ہے جب تک کہ فتنہ پردازوں کی فتنہ پردازی اور فسادیوں کا فساد ہمیشہ کے لئے ختم نہ ہو جائے اور یہ زمین امن و شانتی کا گہوارہ بن کر عالم انسانیت کی بقاء و سلامتی کی ضامن نہ بن جائے۔ ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یحرّض تعالیٰ عبادہ المومنین علی الجھاد فی سبیلہٖ وعلی السعی فی استنقاذ المستضعفین بمکۃ عن الرجال والنساء والصبیان المتبرمین من المقام بھا

''اللہ اپنے مومن بندوں کو جہاد کرنے پر ابھارتا ہے اور مکہ کے کمزوروں کو نجات دینے کی سعی کرنے پر ابھارتا ہے خواہ وہ بچے ہوں، خواہ وہ عورتیں ہوں، خواہ وہ مرد ہوں، جنہوں نے مکہ میں اقامت اختیار کر رکھی ہے''

اسلام میں قتال و جہاد کا پہلا مقصد یہ ہے کہ مخلوقِ خدا کو استعماری قوتوں کے ظلم وستم کے چنگل سے خلاصی دلائی جائے۔ اس کا دوسرا مقصد ہے اعلا کلمۃ اللہ یعنی اللہ کے دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرنے کیلئے فتنہ وفساد کا قلع قمع کیا جائے۔ جہاد کا تیسرا مقصد ہے کہ ظلم واستحصال کی ہر شکل کو دنیا سے مٹا دیا جائے تا کہ کائنات انسانی میں عدل وانصاف کا قیام ہو اور انسانیت کو اس کے فطری حقوق مل سکیں۔ مقصد جہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں:

''ایسی جنگ کو جو ظالموں اور معذوروں کے مقابلے میں اپنی مداخلت اور کمزوروں، بے بسوں اور مظلوموں کی اطاعت کے لئے کی جائے، اللہ نے اسے خاص راہ خدا کی جنگ قرار دیا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ جنگ بندوں کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے ہے اور بندوں کے اغراض کے لئے نہیں بلکہ خاص خدا کی خوشنودی کے لئے ہے۔ اس جنگ کو اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا جب تک خدا کے بندوں پر نفسانی اغراض کے لئے دست درازی اور جبر وظلم کرنے کا سلسلہ بند نہ ہو جائے اور فساد کا نام ونشان اس طرح مٹ جائے کہ اس کے مقابلہ پر جنگ کی ضرورت باقی نہ رہے''